ادارہ

افکار و تاثرات ______ قارئین بنام مدیر

از حضرت مولانا عتیق الرحمان سنبھلی (لندن)

اپنے ممدوحین کے بارے میں اعتدال ملحوظ رہنا چاہیے

عزیز گرامی حافظ راشد الحق صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

دعا ہے آپ مع والدِ ماجد بخیر و عافیت ہوں۔ میرا اسلام کہیے۔ مارچ کا الحق ملا تو ایک مضمون نے اپنے ایک احساس وخیال کے اظہار کی تقریب مہیّا کر دی۔ یاد نہیں کتنا عرصہ ہو گیا کہ اپنے حلقہ کی ایک کمزوری، جو خصوصیت سی بن گئی ہے، تقاضہ کرتی تھی کہ اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی جائے۔ مگر بعض باتیں بغیر اچھی تقریب کے کہنے کی نہیں ہوتیں۔ سو آج الحق میں اس کے لئے تقریب میسر آ گئی ہے پس کہہ دینا چاہئے، شاید کہ کام کی بات سمجھی جائے۔ مجھے کمزوری محسوس ہونے والی وہ بات یہ ہے اور میں اسے قابلِ اصلاح سمجھتا ہوں کہ ہم اپنے اکابر اور ممدوحین پر لکھتے ہیں تو اس طرح لکھتے ہیں جیسے یہ سمجھتے ہوں کہ ہر پڑھنے والا اس شخصیت کے بارے میں ہمارے ہی ذہن کا ہوگا یا ہونا چاہئے۔ اس کے بارے میں ہر وہ بات جس سے اس کی بڑائی نکلتی ہو اس کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گی یا کرنا چاہئے۔ اس لئے ہم کسی مبالغہ میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے، ہر بات کی تحقیق بھی ضروری نہیں سمجھتے ''مریداں می پرانند'' قسم کی سنی سنائی باتیں دھڑلے سے نقل کر جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ ہمارے خیال کی دنیا تو ہو سکتی ہے واقعات کی دنیا اس سے بالکل مختلف ہے۔ ایک عالَم ہے جو ہمارے اکابر اور ممدوحین کا نام بھی نہ جانتا ہو۔ اس میں کا کوئی پڑھا لکھا شخص اگر ہماری ان تحریروں کو پڑھے تو دو چار سطروں کے بعد دلچسپی کھو دے گا۔ چنانچہ ہماری کتابیں ہمارے حلقہ سے باہر نہیں پڑھی جاتیں اور ہمارے اکابر و ممدوحین کا حلقۂ تعارف وسیع نہیں ہوتا۔ حالانکہ ان کے وسیع تعارف میں انسانیت کا بھلا ہے۔ وہ لوگ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔

میرا یہ کہنا کہ ہم سمجھتے ہیں ہمارے اکابر تو ساری دنیا کی جانی مانی شخصیتیں ہیں اور ہونی ہی چاہئیں اس کے ایک تجربہ کی مثال بھی سن لینی چاہئے۔ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کا ۵۷ء میں وصال ہوا تھا۔ یہ کفش بردار بھی تعزیت کو دیوبند حاضر ہوا۔ یہ زمانہ تھا کہ عربی مدارس میں مصری مبعوثین عربی زبان کی تعلیم کے لئے آنا شروع ہو گئے

تھے۔دیوبند میں استاذ عبدالمنعم النمر وغیرہ کا قیام تھا۔انھوں نے مصر میں چھپوانے کے لئے حضرتؒ پر مضامین لکھے تھے، چاہا کہ ذرا پہلے اپنے طلبہ کو بھی سنائیں۔ان کے طلبہ میں اپنے بعض دوست بھی شامل تھے ان کے ساتھ یہ خاکسار بھی اس مجلس میں پہنچا۔استاذ نمر اپنا مضمون پڑھتے ہوئے ''شیخ الاسلام فی الہند'' کے الفاظ پر پہنچے تو میرے دوست فرید الوحیدی مرحوم، ماشاءاللہ بے دھڑک بہت تھے، بے تابانہ بول اُٹھے: ''شیخ الاسلام فی الہند، فقط''؟ اب نمر بیچارے سکتہ میں، کیسے کہیں کہ میں تو خود یہاں آنے سے پہلے حضرت سے واقف نہ تھا، اور کیسے کہیں کہ نہیں میاں میں 'غلطی' سے یہ لکھ گیا؟ اور ہمارے یہ دوست کوئی بسم اللہ کے گنبد والے لوگوں میں نہ تھے، ہر حلقہ میں اٹھنے بیٹھنے والے۔

بہرحال فرطِ عقیدت میں ہماری کیفیت یہ ہے۔اسی کا ایک نمونہ مجھے تازہ الحق میں نظر پڑا۔مضمون ہے ہمارے مرحوم مولانا سید اسعد میاں صاحبؒ پر۔اس میں دوسرے صفحہ پر حضرت شیخ الہندؒ کا تذکرہ آیا ہے اور یہ حضرت کے فیض یافتگان کی فہرست میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد پر ختم ہوتا ہے۔یوں تو ہمارے اکثر لوگ مولانا آزاد کو اپنے حلقۂ دیوبند ہی میں شمار کرلیا کرتے ہیں اگرچہ یہ بھی بالکل بے حقیقت (ہمارے حلقہ کا صرف سیاسی تعلق ان سے تھا) مگر یہ تو غضب ہی ہے کہ مولانا آزاد کو حضرت شیخ الہند کے فیض یافتگان میں دکھایا جائے۔حالانکہ ہمارے یہاں تو اس کے برعکس حضرت شیخ الہند کا یہ فقرہ الہلال کے تاثر سے مشہور ہے کہ اس نوجوان نے ہم لوگوں کو جگا دیا۔اس کے علاوہ بھی کچھ چیزیں اور اس مضمون میں ایسی تھیں کہ مدیر سے حقِ ادارت کے استعمال کا تقاضہ کریں اور ایسے مضامین میں اکثر ہی ہوتی ہیں۔مدیران کا فرض ہے کہ نئے لکھنے والوں کی ہمت افزائی ہی نہیں ان کی تربیت بھی کرتے جائیں۔مختصر یہ ہے کہ عقیدت اور اظہارِ عقیدت کی افراط میں ہم اپنے اکابر وممدوحین کو صرف نقصان پہنچا رہے ہیں اگرچہ اپنے نزدیک ہم ان کا حق ادا کر رہے ہوں۔شاید یہ بات پہلی دفعہ کہی گئی ہے۔اجنبی لگ سکتی ہے، لیکن غور کریں تو مفید ہی نکلے گی۔

ہاں ایک اضافہ بھی میرے معلومات میں اس مضمون سے ہوا۔یہ تو معلوم تھا کہ مولانا مرحوم کا ننھیال بچھراؤں تھا، اب مزید معلوم ہو کہ پیدائش بھی وہیں کی تھی۔لیکن یہ بچھراؤں ضلع سہارنپور میں نہیں ہمارے ضلع مرادآباد میں ہے۔اس کی تصحیح ہوجانی چاہئے۔

والسلام

خیراندیش

عتیق الرحمان سنبھلی